خواجہ محمد عبدالحئی فاروقی

اختر راہی

"مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے ہندوستان میں دو مایہ ناز شاگرد تھے اور ان کے طرزِ تعلیم اور مسلکِ تفسیر کے حامل و امین اور اس میں ان کے صحیح جانشین مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور خواجہ عبدالحئی فاروقی۔"(۱)

مولانا احمد علی لاہوری کی سوانح حیات اور علمی و دینی خدمات پر اہل قلم نے تفصیل سے لکھا ہے(۲)۔ خواجہ محمد عبدالحئی فاروقی کے حالاتِ زندگی اور ان کی سیاسی، علمی اور دینی خدمات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب ۱۸۸۷ء/ ۵ - ۱۳۰۴ھ میں ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد خواجہ عبدالرحیم، گورداسپور کے ایک وکیل خورشید عالم بیرسٹر ایٹ لار کے منشی تھے(۳)۔ خواجہ صاحب نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول گورداس پور میں حاصل کی۔ دینی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ مولانا سندھی سے اپنے ربط و تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"غالباً ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہ، اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے دیوبند آئے۔ میں ان دنوں وہاں تعلیم پا رہا تھا۔ مولانا کے علم و فضل، فہم و ذکا، بیدار مغزی اور سیاست دانی سے دارالعلوم کا بچہ بچہ واقف تھا۔ جیسے ہی ان کے آنے کی خبر ملی۔ مولانا محمد میاں المعروف بہ مولانا منصور مجھے ان کی خدمت میں

لے گئے۔ کہہ نہیں سکتا کہ ان سے مل کر کس قدر مسرت و شادمانی اور اطمینان قلب نصیب ہوا۔ اس کیفیت کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ مولانا کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ وہ جب تک رہے قرآن کریم اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس برابر ہوتا رہا۔ سردی کی راتوں میں بارہا ایسا ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد جو درس شروع ہوا تو رات کے تین چار بج گئے اور استاد و شاگرد میں سے کسی نے بھی تھکن محسوس نہ کی۔ مولانا کافی دن تک رہے۔ دن رات یہی مشغلہ رہتا تھا۔ ان صحبتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن میں درس و فکر کا ذوق پیدا ہو گیا[۴]۔"

خواجہ صاحب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر میرٹھ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا عبیداللہ سندھی نے مسجد فتح پوری دہلی کے شمالی کمروں میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" قائم کیا۔ خواجہ صاحب ان کے درس قرآن سے استفادہ کے لئے ہر شنبہ کی شام دہلی آجاتے تھے اور پیر کی صبح میرٹھ واپس ہوتے تھے۔

جولائی ۱۹۱۵ء رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں ایک ادارہ "دارالارشاد" قائم کیا۔ اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو کتاب اللہ کی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و ارشاد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ دارالارشاد کا ایک طبقہ عربی اور دینیات کے فارغ التحصیل علماء پر مشتمل تھا اور دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کا تھا۔ تمام طلبہ کے قیام و طعام اور ضروری اخراجات مولانا آزاد نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ خواجہ عبدالحیٔ صاحب میرٹھ کالج کی پروفیسری سے سبکدوش ہو کر کلکتہ چلے گئے اور دارالارشاد میں مولانا آزاد سے اکتساب فیض کرنے لگے۔ مولانا آزاد کے درس قرآن کے بارے میں خواجہ صاحب نے اپنا تاثر ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے:

"(مولانا آزاد) ایک عجیب و غریب ایمانی کیفیت قلوب و اذہان میں پیدا کرتے تھے[۵]۔"

اسی زمانے میں مولانا آزاد کی نگرانی میں مولانا محی الدین احمد قصوری (م ۱۹۷۱ء) نے روزنامہ "اقدام" کلکتہ سے جاری کیا تھا۔ جو کچھ عرصہ اپنی بہار دکھا کر بند ہو گیا۔ خواجہ صاحب "اقدام" کے

ادارتی عملے میں شامل تھے۔(۶)

شیخ الہند اور ان کے رفقاء حصول آزادی کی اس سکیم پر عمل کر رہے تھے جو تحریک "ریشمی رومال" کے نام سے تاریخ کا حصہ ہے خواجہ صاحب اس تحریک کے ذمہ دار لوگوں میں سے تھے۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں تحریک کے کارکنوں اور ہمدردوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ مولانا آزاد کو حکومت نے رانچی میں نظر بند کر دیا اور "دارالارشاد" کی بساط لپیٹ دی گئی۔ خواجہ صاحب کلکتہ سے لاہور چلے آئے۔

تحریک ریشمی رومال سے تعلق کی وجہ سے خواجہ صاحب حکومت کی نظر میں تھے۔ وہ لاہور شہر کی میونسپل حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور پنجاب سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر میں ہفتہ وار حاضری دینے کے پابند تھے۔ خواجہ صاحب نے اپنی مصروفیات صرف "درس قرآن" تک محدود کر دی تھیں۔ وہ اپنے مکان پر درس دیتے تھے جس میں نوجوان طلبہ بطور خاص شریک ہوتے تھے۔ مولانا نصراللہ خاں عزیز (م ۱۹۷۶ء) ان کے درس میں شریک ہوئے تھے وہ لکھتے ہیں:

"درس قرآن کے علاوہ وہ کوئی سیاسی بات نہیں کرتے تھے۔ خفیہ پولیس سائے کی طرح ان کے ساتھ رہتی تھی۔ انہوں نے درس کے طلبہ کے سامنے کبھی تلقین جہاد نہ کی مگر درس قرآن کا انداز خود بخود طالب علموں کے اندر روح جہاد پھونکتا جاتا تھا اور ہم لوگ فیصلہ کرتے جاتے تھے کہ ہم اپنی زندگی جہاد کے لئے وقف کریں گے۔"(۷)

۱۹۱۷ء میں مولانا ظفر علی خان (م ۱۹۵۶ء) نے اپنے زمانۂ نظر بندی میں کرم آباد سے ہفت روزہ "ستارہ صبح" جاری کیا۔ جو کچھ عرصہ بعد لاہور سے چھپنے لگا۔ علامہ عبداللہ العمادی (م ۱۹۴۷ء) اور خواجہ عبدالحئی صاحب ان کے معاون و مددگار تھے۔(۸)

خواجہ عبدالحئی صاحب کی تمام سرگرمیوں میں حصول آزادی کا جذبہ کارفرما تھا۔ ہزار پابندیوں کے باوجود وہ کلمہ حق کہہ گزرتے تھے۔ انہوں نے شاہی مسجد لاہور میں ایک تقریر کی جسے باغیانہ خیال کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء کے مارشل لا میں ان کا مقدمہ زیر بحث آیا۔ مولانا غلام رسول مہر

(م ۱۹۷۱ء) نے ملک لال دین قیصر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ملک لال دین قیصر مرحوم نے ۱۹۱۹ء کے مارشل لا کی انتہائی سختیوں کا دور بھی دیکھا تھا۔ وہ ابتدائی عمر ہی میں بڑے بہادر اور جواں مرد تھے اور ڈنڈا فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ مارشل لا میں گرفتار ہوئے اور بیس سال قید کی سزا سنائی گئی۔ لاہور کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں بہت سے لوگ جن میں اکابر بھی خاصی تعداد میں شامل تھے گرفتار ہوئے اور دوسرے شہروں سے بھی لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ وہ سب جیل میں رکھے گئے اور باری باری ایک ایک کے مقدمے کی سماعت ہوتی تھی۔ قیصر مرحوم نے بارہا مجھ سے ذکر کیا کہ اس زمانے میں صرف دو افراد ایسے دیکھے جن کی بہادری اور دلیری کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ ایک خواجہ عبدالحئی، دوسرے ڈاکٹر سیف الدین کچلو مرحوم۔ قیصر صاحب کہا کرتے تھے کہ دو کے چہرے افتاد پر رنج و غم کے ہر اثر سے پاک دیکھے گئے۔ بڑی سے بڑی سزا سن کر بھی ہنستے اور مسکراتے ہوئے آئے۔"(۹)

خواجہ صاحب کو ضبطی جائداد اور عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ فیصلہ سناتے ہوئے "منصفوں" نے یہ بھی کہا کہ اگر "مجرم" رحم کی درخواست کرے گا تو اس کی سماعت نہ ہوگی۔ خواجہ صاحب پندرہ دن سنٹرل جیل لاہور میں رہے۔ یہاں سے سنٹرل جیل ملتان منتقل کر دیئے گئے۔ جیل میں فرصت کے اوقات قرآن کریم پر غور و فکر میں گزرتے رہے۔ جب عام معافی کا اعلان ہوا تو رہا ہو کر لاہور آئے۔

تحریک عدم تعاون کے زمانے میں مولانا محمد علی جوہر (م ۱۹۳۱ء) نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بالمقابل "جامعہ ملیہ" کی بنیاد رکھی۔ سنگ بنیاد خواجہ صاحب کے استاد گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو رکھا۔ خواجہ صاحب اس تقریب میں شمولیت کے لئے لاہور سے گئے تھے۔ خواجہ صاحب کی خدمات بانیان جامعہ نے دینیات کی تعلیم کے لئے حاصل کر لیں۔ جامعہ ملیہ علی گڑھ کے فیض یافتہ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

یہ (جامعہ ملیہ) برائے نام یونیورسٹی تھی۔ اس زمانے میں اس میں تعلیم کم اور تربیت زیادہ ہوتی تھی۔ اصل مقصد ایسے تربیت یافتہ رضاکار تیار کرنا تھا جو آزادی کی تحریک میں باصول طریقے سے کام کر سکیں۔ تاہم کچھ سبق بھی ہوتے تھے۔ اگرچہ ان میں نظم کچھ نہ تھا البتہ نمازوں کی باقاعدہ جماعت میں عجیب شان ہوتی تھی۔ مجھ پر نماز کا سب سے زیادہ رعب، اسی زمانے میں قائم ہوا اور یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ باجماعت نماز سے جہاں خدا کی شان ظاہر ہوتی ہے وہاں خود مسلمان کی شان بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ محمد علی (جوہر) جب جامعہ میں ہوتے تو نماز خود پڑھاتے تھے۔ ورنہ مولانا محمد سورتی یا خواجہ عبدالحئی فاروقی پڑھاتے تھے"۔[10] ۱۹۲۵ء میں جامعہ ملیہ علی گڑھ سے دہلی آگئی۔ خواجہ صاحب تقسیم ہند تک جامعہ میں عربی و دینیات کے پروفیسر رہے۔

۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر میں ایک ادارہ "جامعہ اسلامیہ" قائم کیا۔ خواجہ صاحب نے تقریباً دو سال جامعہ اسلامیہ میں علمی و تدریسی کام کیا۔[11] ۱۹۴۹ء میں جناب جسٹس ایس۔ اے رحمان صاحب (سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان) دہلی گئے تو ان کی ملاقات خواجہ صاحب سے ہوئی۔ جسٹس صاحب نے انہیں پاکستان آکر کام کرنے کی دعوت دی چنانچہ جون ۱۹۵۰ء میں خواجہ صاحب ترک سکونت کر کے لاہور آگئے۔[12]

پاکستان آکر دو سال تک کوئی خاص کام نہ کیا۔ ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر دم تک تین سو روپے ماہانہ مشاہرے پر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔[13] اس کے ساتھ انجمن اصلاح و تبلیغ (آسٹریلین بلڈنگ) لاہور سے وابستہ رہے۔ ابتدا میں رہائش بھی آسٹریلین بلڈنگ کے ایک حصے میں تھی۔ بعد میں تاج کمپنی (ریلوے روڈ) کے عقب میں اٹھ آئے۔

۱۷ر جنوری ۱۹۶۵ء / ۴ر رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ کو ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ دوسرے دن ۸ر جنوری / ۵ رمضان المبارک کو جان، جان آفریں کو سپرد کی اور قبرستان میانی صاحب میں

دفنائے گئے۔

خواجہ عبدالحیٔ مرحوم متین اور کم گو شخصیت کے مالک تھے۔ ہمیشہ پاجامہ اور شیروانی پہنتے تھے۔ سر پہ ٹوپی اور ہاتھ میں چھڑی رکھتے تھے راہ چلتے کبھی ادھر ادھر نہ دیکھتے اور حمد و ثنا میں مصروف سیدھے چلے جاتے تھے۔ آخری عمر میں بھی اپنا کام خود کرتے تھے۔ حلال و حرام میں حد درجہ تمیز کرتے تھے۔ کسی چیز کے بارے میں ذرہ بھر بھی شک گذرتا تو اسے استعمال میں نہ لاتے تھے۔

کم گو ہونے کے باوجود خوش طبع اور زندہ دل تھے۔ ان کے احباب کی رائے ہے کہ انہیں کبھی پریشان نہ دیکھا گیا۔ مشکلات اور مصائب میں بھی ان کے وقار اور سنجیدگی میں فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ ایسے صاحب علم تھے جنہیں اپنے علم و فضل پر فخر نہیں تھا۔ انہوں نے کبھی اپنی رائے محض اپنی "علمیت" کی بنیاد پہ نہ منوائی بلکہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے عجز و انکسار سے اپنی رائے کے حق میں دلائل بیان کر دیتے تھے۔

خواجہ صاحب اچھے لکھنے والوں میں سے تھے۔ وہ قرآن کریم کی تفسیر "تفسیر القرآن فی معارف القرآن" کے نام سے لکھنا چاہتے تھے مگر مکمل نہ کر سکے۔ اس تفسیر کے متفرق حصے الگ الگ شائع ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ الخلافۃ الکبریٰ (تفسیر سورہ بقرہ)

۲۔ بیان (تفسیر سورہ آل عمران)

۳۔ صراط مستقیم۔ (تفسیر سورہ انفال و سورہ توبہ)

۴۔ عبرت (تفسیر سورہ یوسف)

۵۔ برہان (تفسیر سورہ نور)

۶۔ سبیل الرشاد (تفسیر سورہ الحجرات)

۷۔ ذکریٰ (تفسیر پارہ عم)

۸ - بصائر۔ بنی اسرائیل کے واقعات و حوادث اور فرعون کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کریم کے فلسفہ تاریخ پر گفتگو ہے۔ بنی اسرائیل کے حالات کو اپنی غلامی اور برطانوی حکومت کے طرز عمل پر منطبق کیا ہے۔

۹ - اسباب النزول۔ بعض اہم آیات کی شان نزول بیان کی گئی ہے۔

انجمن اصلاح و تبلیغ لاہور نے قرآن مجید کا آسان اُردو ترجمہ اور تفسیر شائع کی ہے۔ ترجمہ و تفسیر علماء کے ایک بورڈ نے لکھا ہے۔ اس بورڈ کے صدر خواجہ صاحب ہی تھے۔

متذکرۃ الصدر تفسیری کتب کے علاوہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے ان کے حسب ذیل کتابچے شائع کئے جو طلبہ اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔

۱ - نبیوں کے قصے
۲ - حالات قرآن مجید
۳ - ارکان اسلام
۴ - ہمارے نبیؐ
۵ - پیارے رسولؐ
۶ - خلفائے اربعہ

ان کے علاوہ خواجہ صاحب کے بہت سے علمی، ادبی اور تاریخی مضامین رسائل و جرائد میں منتشر ہیں جن کی ترتیب و تدوین تاحال نہیں ہوئی۔

خواجہ صاحب کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ ان کے ایک پرانے ملنے والے بزرگ حکیم ظفر اللہ صاحب (اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور) کے ذریعے ان کی حسب ذیل نظم "پیغام عمل" سامنے آئی ہے[۱۴]۔ اس میں "شعریت" سے زیادہ ان کا انداز فکر و نظر پیش نظر رہنا چاہئے۔

کچھ مقصد لے کر آتا ہے اس دنیا میں جو آتا ہے
محروم عمل جو رہتا ہے وہ جیتے جی مر جاتا ہے

اس مزرع عالم کو سینچو تم جدو جہد کی بارش سے
جو بیج عمل کا بوتا ہے وہ پھل درخت کا پاتا ہے
رستے کی صعوبت سہ کر ہی منزل پہ پہنچنا ممکن ہے
آگاہ حقیقت غم ہے جو لذت و عیش اڑاتا ہے
ہر اک مصیبت دنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے
گلشن میں خزاں کا آنا ہی امید بہار دلاتا ہے
دریا کی طرح جو چلتا ہے اور پھر چلتا ہی رہتا ہے
کہساروں کو میدانوں کو خاطر میں کب وہ لاتا ہے
ہر رات کے پچھلے حصے میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

حواشی

۱۔ پرانے چراغ۔ ابوالحسن علی ندوی (مجلس نشریات اسلام۔ کراچی۔ ۱۹۷۵ء) ص ۱۳۷۔
۲۔ ملاحظہ ہو: انوار ولایت (راخگر)
ایک مفسر قرآن (محمد یوسف چوہدری) میری لائبریری لاہور (۱۹۶۶ء)
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء (قاری فیوض الرحمان)
پاکستان بک سنٹر، لاہور (۱۹۷۶ء)
مرد مومن (عبدالحمید خاں) فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور (بار پنجم ۱۹۷۰ء)
۳۔ تحریک شیخ الہند۔ مولانا محمد میاں (مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۷۵ء) ص ۲۹۸۔
۴۔ بصائر خواجہ محمد عبدالحئی فاروقی (احسن برادرز لاہور۔ ۱۹۵۲ء) ص ۷

۵۔ ایضاً ص ۷

۶۔ تحریک شیخ الہند ص ۲۹۰۔

۷۔ ماہنامہ "مشیر" (کراچی) بابت جنوری ۱۹۵۷ء

۸۔ نگارستان۔ ظفر علی خان (مکتبۂ کاروان لاہور ۱۹۶۳ء) ص ۵۵

۹۔ ہفت روزہ "الاعتصام" (لاہور) بابت ۵ فروری ۱۹۶۵ء

۱۰۔ روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی) بابت ۴ جنوری ۱۹۶۹ء ص ۳

۱۱۔ مجلہ کریسنیٹ (اسلامیہ کالج لاہور) بابت جنوری ۱۹۶۵ء ص ۲۳۴

۱۲۔ ایضاً ص ۲۳۴۔

۱۳۔ ایضاً ص ۲۲۹۔

۱۴۔ ایضاً ص ۲۱۴۔